خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد اسلام کے ریاستی تشکیلِ نوَ کی حکمتِ عملی

(افکارِ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اورافکارِ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے تناظر میں)

The strategy of state formation of Islam after the fall of the Ottoman Caliphate

(In the context of thoughts of Maulana Obaidullah Sindhi and thoughts of Allama Dr. Muhammad Iqbal)

*احمد علی شاہ

**ڈاکٹر منظور احمد

Abstract

The first revelation from the Prophet (SAW) was received in 610 A.D. and after the migration to Madinah in 622 A.D., the state of Madinah was established. Thereafter, the four Muslim caliphates (Khilafah Rashida, Khilafah Banu Umayyad, Khilafah Banu Abbas and Khilafah Banu Uthman) formulated a global system of welfare for all humanity without distinction of colour, race, religion or creed for about twelve centuries. At the same time, this global system based on the state authority of the religion of Islam is falling prey to global imperialist and tyrannical conspiracies. Now, what will be the form of national and international state domination of the religion of Islam? Attempts have been made to trace the views of two eminent thinkers, Maulana Obaidullah Sindhi (1872-1944) and Allama Dr Muhammad Iqbal (1877-1938).

Keywords: *Ottoman Caliphate, State formation, National Democratic State, Maulana Obaidullah Sindhi, Allama Dr Muhammad Iqbal.*

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ علومِ اسلامیہ و عربی، گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان،KPmasoodahmad08@gmail.com

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علومِ اسلامیہ و عربی، گومل یونیورسٹی،(drmanzor76@yahoo.cm)

تمہید:

انسان کی فطرت اجتماعیت پسند ہے اور اسی اجتماعیت پسندی میں انسان کی ترقی کا راز پنہاں ہے۔انسان اسی اجتماعیت کی تنظیم وتہذیب کے لیے ریاستی اور حکومتی نظام کی تشکیل کرتا ہے۔ گویا ہر کامیاب اجتماعیت کا آخری نتیجہ ایک حکومتی وریاستی اتھارٹی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دنیامیں اس حکومتی اتھارٹی کو قائم وغالب رکھنے کے لیے خلیفۃاللہ فی الارض حضرات انبیاءعلیہم السلام ہی رہے ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاءعلیہم السلام تھے وہ سب خلیفۃاللہ فی الارض(زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ) تھے۔یایُوں کہہ لیجئے کہ مختلف ادوار میں مختلف انبیاءعلیہم السلام اس کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکومتی وریاستی اتھارٹی کا مرکز تھے۔اور یُوں یہ سلسلہ تاقیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادکے مطابق اس طرح جاری رہے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء نے اس تسلسل کو سنبھالا۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:كانت بنواسرائيل تسوسهم الانبياء،كلما هلك نبى خلفه نبى آخر۔الا!لانبى بعدى،سيكون بعدى خلفاء فيكثرون۔[1]

" بنی اسرائیل کی قیادت خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے۔جب کسی نبی کی وفات ہوتی تھی تو اس کی جگہ دوسرا نبی آتا تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔"

اس طرح ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"لا تزال طائفة من أمتي قائمة بأمر الله لا يضرهم من خذلهم أو خالفهم حتى يأتي أمر الله وهم ظاهرون على الناس"[2]

"میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم(اسلام) پر قائم رہے گی،ان کی مدد سے ہاتھ کھینچنے والے یاان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاسکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم(فیصلہ) آجائے گا اور وہ بدستور تمام لوگوں پر غالب رہیں گے۔"

حکومتی وریاستی اتھارٹی سے مرادیہ ہے کہ جس کے جاری کیے ہوئے فرامین اوراقدامات کی خلاف ورزی نہ کی جاسکے،یعنی وہ اتھارٹی جو حکم جاری کرے، کوئی انسان اپنے انفرادی اوراجتماعی معاملات میں اس حکم

کی خلاف ورزی نہ کر سکے۔ اس کو دل وجان سے مانے۔ اس اتھارٹی کا حکم انسانی اجتماع پر نافذ ولاگو ہو گا۔ گویا خلافت کا مطلب "دینی حکومت وریاست کا قیام وغلبہ "ہو تا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک اس حکومت یا خلافت کے دو دائرے ہوتے ہیں، ایک خلافتِ باطنہ اور دوسرا خلافت ظاہرہ۔ [۳]

خلافتِ باطنہ:

پہلا دائرہ یعنی خلافت باطنہ، انسانوں کے نظم وضبط اور تنظیمی طاقت کے ذریعے ایک منظم قوت کے اظہار کا نام ہے۔ کہ افراد انسانی اپنی اجتماعیت کی پہلی سطح کو ایک تنظیمی طاقت و قوت کی شکل میں وجود میں لائیں اور منظم ہوں۔ یہ تبھی ہو گا جب انسانی روح اعلیٰ اقدار واخلاق، اعلیٰ اجتماعی رویوں کی حامل بن کر ان اقدار واخلاق کے ڈسپلن (Discipline) کو عملاً قبول کرلے۔ یعنی انسان اپنے باطن میں تبدیلی پیدا کرے۔ انسانی روح کو صیقل کرے۔ انسانی قلب کو مہذب، عقل کو باشعور اور جسم کو نظم وضبط کا پابند بنائے۔ ایسی حکومتی اتھارٹی "خلافتِ باطنہ" پر مشتمل ہوتی ہے۔ انسان اجتماعیت کے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کی اجتماعیت کا کم از کم دائرہ یہ ہے کہ باصلاحیت افراد باہم مل کر ایک تنظیمی طاقت و قوت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ یہ اجتماعیت کی پہلی سطح ہے، جو دلوں کی تبدیلی، عقل و شعور، فہم و بصیرت، نظم وضبط اور ڈسپلن کے ذریعے انسانوں میں پیدا کی جاتی ہے۔ اس کے لیے ظاہری حکومت کی اتھارٹی ضروری نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے مرشد ومربی کی صحبت میں دل کی چاہت اور گرویدگی سے پیدا ہوتی ہے۔ نیز دل کا اس چیز کو صدقِ دل کے ساتھ قبول کرلینا لازمی و ضروری ہوتا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کو خلافتِ باطنہ حاصل تھی کیونکہ اس کے بغیر اجتماعیت تشکیل پذیر ہی نہیں ہو سکتی۔ انسان کو جو خلیفہ بنایا گیا ہے، تو اس کی صورت یہ ہوئی کہ انسانوں میں جو اعلیٰ ترین انسان (حضرات انبیاء علیہم السلام) تھے۔ انھیں خلیفہ بنایا گیا۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام، انسانوں کی تعلیم و تربیت، روحانی تزکیہ، عقل

وشعور کی بلندی، نظم وضبط کی پابندی اور اخلاق واقدار کا خوگر بنانے کے لیے منجانب اللہ مبعوث کیے جاتے رہے۔

حضرات انبیاءعلیہ السلام ان باصلاحیت افراد کو اجتماعیت کے آداب سکھاتے ہیں۔رہن سہن، میل ملاپ، سماجی زندگی کے تمام اقداراوراجتماعی زندگی بسر کرنے کے آداب سکھاتے ہیں۔نیز سیاسی اور معاشی قوانین وضابطے اپنے حواریین وصحابہ کے دل ودماغ میں منتقل کرتے ہیں۔نبی جب نبوت ک منصب پر فائز ہوئے تو ان کی نبوت کالازمی تقاضا سیاست یاخلافت کی پہلی سطح، یاحکومت کا پہلا دائرہ رہاہے۔گویاحضرات انبیاءعلیہ السلام کی جدوجہد کاراستہ "خلافتِ باطنہ" کی صورت میں باصلاحیت افراد کی جماعت بندی سے عبارت رہاہے۔

خلافتِ ظاہرہ:

ان میں سے وہ اولوالعزم انبیاءعلیہ السلام جنھوں نے اس خلافتِ باطنہ سے آگے بڑھ کر اپنی اس جماعتی طاقت کی اساس پر حکومت وریاست بھی قائم کی، تو یہ مکمل خلافت کہلاتی ہے۔یہ خلافت کا اگلا مرحلہ ہے۔جس کو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "خلافتِ ظاہرہ" قرار دیاہے۔

سلسلۂ نبوت کے سب سے آخر میں جب حضورِ اقدس ﷺ امام الانبیاء بن کر تشریف لائے، تو آپ ﷺ کو دونوں خلافتیں (باطنہ اور ظاہرہ) بدرجۂ اتم واکمل عطا کی گئیں۔تیرہ سالہ مکی دور میں آپ ﷺ نے خلافتِ باطنہ کا اعلیٰ ترین ممکنہ معیار جو ہو سکتا تھا، قائم کیا۔اس کے بعد مدینہ منورہ میں اسی خلافتِ باطنہ کی اساس پر خلافتِ ظاہرہ قائم کیا۔اوروہ صرف ایک مخصوص خطے یا علاقے تک محدود نہیں، بلکہ آپ کی یہ حکومت پورے کرۂ ارض اور تمام انسانوں کے لیے ہے۔عرب وعجم کو آپ کی حکمرانی کے ماتحت بنادیا گیااور بین الاقوامی حکومت کے طور پر آپ ﷺ کی حکمرانی قائم کی گئی۔

خلافتِ رسول اللہ ﷺ:

اللہ تعالیٰ کا براہ راست خلیفہ، نائب اوراجتماعیت قائم کرنے والا فرد نبی ہوتاہے۔جس پر اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے۔جب ہم رسول اللہ ﷺ کو، محمد رسول اللہ ﷺ کہہ کر کلمہ طیبہ کی تکمیل کرتے ہیں تو دراصل

حضور ﷺ کی حکومتی وریاستی اتھارٹی کو ماننے کا اعلان بھی کرتے ہیں۔ نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اب کوئی آدمی خلیفۃ اللہ فی الارض نہیں ہو سکتا۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد ایسی اجتماعی طاقت کا جو مرکزی فرد ہے وہ خلیفۃ الرسول اور خلیفۃ النبی ہے۔ وہ حضور ﷺ کا خلیفہ ہے۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ جب امیر المومنین بنے تو انھوں نے اپنے آپؓ کو خلیفۃُ الرسول اور خلیفۃُ النبی کہلوایا۔ وہ اللہ کے خلیفہ نہیں بنے تھے، اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تو حضرت نبی کریم ﷺ تھے اور حضرت بنی کریم ﷺ کے نائب اور خلیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نائب اور خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ، اُن کے خلیفہ حضرت عثمان غنی اور اُن کے خلیفہ حضرت علی المرتضیٰ تھے۔ یہ چاروں خلفاء حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کے نمائندے یا نمائندے کے نمائندے ہوئے ہیں۔ جب حضرت عمر فاروق کا دور آیا تو شروع میں انھیں بھی خلیفۃ خلیفۃ الرسول کہا گیا، مگر توجہ دلائی گئی کہ خلافت تو قیامت تک چلنی ہے۔ پھر تو خلیفۃ خلیفۃ خلیفۃ الرسول ایک لمبی چوڑی گردان بن جائے گی۔ اس لیے اس کو مختصر کرکے کہہ دیا گیا "امیر المومنین"۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے سے اسلامی سلطنت کے حکمران کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا جانے لگا جبکہ حقیقت میں تو وہ خلیفۃ خلیفۃ الرسول ہیں۔[۴]

خلافتِ خاصہ / خلافتِ نبوت:

ان چاروں خلفاء کی خلافت نہ صرف خلافتِ عامہ کی حامل ہے، بلکہ خلافتِ نبوت یا خلافتِ خاصہ بھی ہے۔ یہ خلافتِ خاصہ یا خلافتِ نبوت ان چار خلفاء راشدہ پر بند ہے۔[۵] ان چاروں خلفاء کو جو ذمہ داریاں سونپی گئیں، انھوں نے حضور اکرم ﷺ کا نائب بن کر اپنا کام نبھایا۔ ان چاروں خلفاء نے پہلے تیس سالہ دور میں ، جس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ ثمّ ملک بعدذٰلک[۶] کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہو گی۔ یعنی خلافتِ نبوت اور خلافتِ خاصہ تیس سال رہے گی۔ ان تیس سالوں میں حضور ﷺ کے ذمے جو کام تھے، اُن کی تکمیل ہوئی اور ان کا عملی نظام ان چاروں خلفائے راشدین نے مکمل کیا۔ اس طرح قرآن حکیم کی کسی آیت اور حضور اکرم ﷺ کی کسی حدیث مبارکہ کی ضروری عملی تشریح ان تیس سالوں میں تشنہ تکمیل نہیں رہی۔

خلافتِ عامہ:

ہر انسانی سوسائٹی اپنے قومی تقاضوں کے تناظر میں اپنے لیے ایک اجتماعی نظام بناتی ہے۔ لہٰذا "خلافت" کا معنی حکومت وریاست اور "عامہ" کا مطلب ریاستِ عامہ، یعنی عمومی حکومت ہے۔ قیامت تک اب جتنی بھی حکومتیں قائم ہوں گی، وہ خلافتِ عامہ کے اصول پر قائم ہوں گی۔ کیونکہ اس کے بعد جتنی بھی جماعتیں تربیت یافتہ بنیں گی وہ حضوراکرم ﷺ کی براہِ راست تربیت یافتہ جماعت کے ہم پلہ نہیں ہو سکتیں، بلکہ وہ خلافتِ راشدہ کے اصولوں کو سامنے رہ کر اپنی اپنی قوم کے لیے نظام بنائیں گی، لیکن مِن وعَن وہی کچھ نہیں ہو گا۔

ہر قوم اپنے قومی تقاضوں کے مطابق عملاً خلافتِ عامہ کیسے قائم کرے گی؟ اس کے لیے خلافتِ عامہ کے پہلے دو خلفاء نے بھی ایک نمونہ چھوڑا ہے۔ حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسنؓ کی خلافت کے چھ مہینے اور پھر حضرت امیر معاویہؓ کے بیس سالہ دور میں خلافتِ راشدہ کے دور کے اصولوں کو سامنے رکھ کر قومی حکومتوں کے قائم کرنے کے اصول، ضابطے اور قاعدے عملاً انسانیت کے سامنے پیش کر دیے۔

حضرت امام حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ باہمی مشاورت کے ذریعے سے اس بات کو طے کر دیا، کہ خلافتِ باطنہ یا جماعتی طاقت و قوت کو منظم کرنے کا عمل، تعلیم تربیت، تزکیہ اور انسانی قلوب اور عقل وشعور کے اندر بلندی پیدا کرنے کے عمل کا کام ایک مستقل جماعت سرانجام دے گی۔ اور وہ محدّثین، مفسّرین، فقہاء، صوفیاء اور اولیاء اللہ کی ایسی اُولوالعزم جماعت جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ایک نئی جماعت اور نئی اجتماعیت قائم کر کے مردہ ہو چکے انسانی دلوں کو زندہ کرنے کا کام کرے گی۔ وہ تعلیم وتربیت کے ساتھ تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ قلب بھی کرے گی اور دینِ اسلام کی اجتماعیت قائم کرنے کے لیے نظم وضبط اور ڈسپلن رکھنے والی ایک منظم اجتماعی قوت بھی بنائے گی۔[۷]

اس اجتماعی قوت کی اساس پر عملی سیاسی وریاستی نظام قائم کرنے کے لیے خلافتِ ظاہرہ کا نظام ایسی اتھارٹی کے پاس ہو گا جو اپنی ریاستی اتھارٹی کے ذریعے دینی سیاسی اور معاشی نظم وضبط قائم کرے گی۔ اہل لوگوں

کو انتظامی امور سپرد کرے گی۔ گویا ان دو بزرگوں کی باہمی مصالحت نے دینی قومی حکومتیں قائم کرنے کی داغ بیل ڈال دی۔

خلافتِ عامہ کے اصول پر خلافتوں کا نظام، خلافتِ بنوامیہ، خلافتِ بنو عباس اور خلافتِ بنو عثمان کی شکل میں ۱۹۲۳ءتک انسانی سوسائٹی کے لیے قائم رہا۔ اجتماعیت کی یہ مختلف شکلیں مسلمانوں کے غلبے کی تاریخ ہے، جو خلافتِ ظاہرہ کی شکل میں برقرار رہی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلافتِ راشدہ کے دور کی بنیادی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے ہر دور کے پیداواری رشتوں، سماجی تعلقات، ملکی اور قومی تقاضوں کو اپنے اپنے معروض کے مطابق حل کرنے کے لیے نظمِ مملکت وریاست قائم کرنے کا نام وعنوان "خلافتِ عامہ" ہے۔

خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد:

یہ ایک حقیقت ہے کہ جنگِ عظیم اوّل کے بعد خلافتِ اسلامی کے عثمانی نظام کے خاتمے کے بعد مفکرینِ امت اور زعماء ملت بہت سے فکری مخمصوں کا شکار ہوئے۔ کیونکہ خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد دنیا فنا نہیں ہوگئی بلکہ ایک نئے دور میں داخل ہوئی ہے اس نئے دور کے چیلنجز کو قبول کرکے اس دور کے اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کیسے ہوگی، مسلمان مفکرین کے سامنے یہ ایک بہت اہم سوال تھا۔ اس دور کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس دور میں دینِ اسلام کے غلبے کی عملی شکل کیا ہوگی؟ کیونکہ خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد مسلمانوں کے لیے عصری تقاضے یکسر بدل گئے۔ یورپین طاقتوں کا دنیا پر قبضہ ہوگیا۔ سامراجی قوتوں نے مظلوم قوموں کو یرغمال بنالیا۔ مسلمان ملکوں کی قومی اور بین الاقوامی اجتماعیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی۔ ریاستوں کی تشکیل قومیتوں کی اساس پر ہونے لگی۔ جنگ عظیم اوّل (۱۹۱۸ء-۱۹۱۴ء) کے دو فاتح برطانیہ اور فرانس سامنے آئے اور پھر یورپ کی آپس کی بندر بانٹ میں جھگڑے اور لڑائیاں ہوئیں تو جنگِ عظیم دوم (۱۹۴۴ء-۱۹۳۹ء) برپا ہوئی۔ اس کے دو فاتح روس اور امریکا سامنے آئے۔ ان چار ویٹو طاقتوں (امریکا، روس، برطانیہ اور فرانس) نے اقوامِ عالم کا نیا نظام بنایا اور ریاستوں کی تشکیل کی۔ بعد میں چین کا اضافہ ہوا اور ویٹو طاقتیں پانچ ہوگئیں، لیکن ان پانچوں طاقتوں میں کوئی ایک طاقت بھی اسلامی نہیں۔ اس وقت بین

الا قوامی نظام قائم کرنے والے یاتو سرمایہ داری نظام کے حامل ہیں یا سوشلزم کے۔ان حالات میں دینی ریاست کی تشکیلِ نَو کیسے ہو گی؟

عبید اللہ سندھیؒ کا نقطۂ نظر:

اس سوال کے جواب کو مولانا عبید اللہ سندھیؒ(۱۹۴۴ء-۱۸۷۲ء) نے نہایت باریک بینی سے مطالعہ کیااور عملی زندگی میں مختلف ممالک میں تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ آج کے دور میں پارلیمانی اور قومی جمہوری نظامِ حکومت ہی بہترین اور عوام النّاس کے فلاح و بہبود کی ضمانت ہے۔ محنت کش اور مزدور طبقات کے حقوق اور عوامی آزادی کا تحفظ جمہوری نظام میں بہتر انداز سے کیاجاسکتا ہے۔لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کو قومی جمہوری اندازِ فکر اپنانے کی تلقین کی،اور غیر جمہوری نقطۂ نظر، شخصیت پرستی اور آمرانہ طرزِ عمل کی آپؒ نے مخالفت کی۔ آپؒ نے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ہمارانوجوان جمہوری نظام کے سوا کسی اَور نظام کو نہ مانے، قوم کے جمیع افراد کی پوری طاقت استعمال کرنا بجز اس نظام کے ممکن نہیں۔ہماری قوم کا اعلیٰ طبقہ عموماً برباد ہو چکاہے۔بجز(سوائے)اِن چند نیک بندوں کے،جو پس ماندہ(باقی رہ جانے والی)جماعت کے اٹھانے میں جدوجہد کر رہے ہیں۔اسی نظام کو ہم جمہوری مانتے ہیں۔نکمّے مال داروں اورر ہبانیت سکھانے والے عالموں کا اس نظام میں کوئی دخل نہیں۔"[۸]

مولانا عبید اللہ سندھیؒ جمہوریت ہی کو معاشروں کی ترقی کے لئے ناگزیر قرار دیتے ہیں۔کیونکہ جمہوری معاشروں میں ہی علمی، فکری، اور تمدّنی ترقی کی راہیں کھل جاتی ہے۔اسی طرح جمہوریت کا ارتقاء انسانی حقوق کے فروغ وادائیگی سے وابستہ ہے اور انسانی حقوق کافروغ وسائل معاش کے فروغ ومنصفانہ تقسیم سے وابستہ ہے۔[۹]

مولانا عبید اللہ سندھیؒ ۱۹۱۸ء میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد کے حالات کے تناظر میں لکھتے ہیں:

"(جنگِ عظیم اوّل کے اختتام پر)۱۹۱۸ء سے اسلامی دنیا میں ایک نئے دور کی ابتداء ہوتی ہے،اسلامی ملکوں میں ایک صدی پہلے جن قومی جمہوری تحریکوں کا بیج بویا گیا تھا، گو یورپ کے سیلاب نے اسے برگ وبار لانے کا اس وقت موقع نہ دیا، لیکن وہ بیج اندر ہی اندر نشوونما پاتا رہا۔ اور جونہی گزشتہ جنگِ عظیم(۱۹۱۴ء تا

۱۹۱۸ء) ختم ہوئی اور محکوم قوموں کو سر اٹھانے کی فرصت ملی تو تقریباً ہر اسلامی ملک میں عوام نے آزادی کے لئے جدوجہد شروع کردی۔ ترکی میں مصطفٰے کمال نے قومی جمہوری حکومت کی بنیاد رکھی۔ مصر میں سعد زغلول نے قومی پارلیمنٹ بنائی۔ شام، فلسطین، طرابلس، تیونس اور مراکش وغیرہ میں بھی قومی تحریکیں اٹھیں۔ لیکن وہاں کے جمہور اپنی آزاد حکومتیں بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے، ہندوستانی مسلمان بعض مخصوص حالات کی بناء پر اپنے ملک کی قومی تحریک میں شامل ہونے سے ہچکچاتے رہے۔

دنیائے اسلام میں یہ قومی حکومتوں کا جمہوری دور ہے، اس دور میں ایک مسلمان قوم کسی دوسری مسلمان قوم کی حکومت قبول کرنے کو تیار نہیں، اور نہ ہی کسی اسلامی ملک کے جمہور اپنے مطلق العنان بادشاہ کی جابرانہ حکومت ہی گوارا کرسکتے ہیں۔ جن مسلمان بادشاہوں نے رعایا کے خلافِ مرضی من مانی حکومت کرنی چاہی اُن کا حشر دنیا دیکھ چکی ہے اور جس مسلم قوم نے دوسری مسلم قوم پر زبردستی حکومت کرنے کی کوشش کی اس کا انجام گزشتہ جنگِ عظیم میں عربوں اور ترکوں کے معاملہ میں واضح ہوچکا ہے۔"[۱۰]

آگے مزید لکھتے ہیں:

"الغرض اس دور میں ہر اسلامی ملک اپنی جگہ آزاد ہونا چاہتا ہے وہ کسی نام سے بھی اپنے ملک میں دوسروں کی دخل اندازی برداشت نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی وہ دوسروں کے سر پر اپنی حکومت تھوپنے کا رَوَادَار ہے۔ چنانچہ ہر قوم اپنی زبان کو ترقی دے رہی ہے۔ افغان پشتو کی ترویج کررہے ہیں۔ ایران میں فارسی کو زندگی کے ہر شعبے میں لازمی بنادیا گیا ہے۔ عربی بولنے والی قومیں عربی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناچکی ہیں، اور تُرک تو زبان کے معاملے میں کافی نام بھی پیدا کرچکے ہیں۔ اس دور میں اسلام کی بین الاقوامی تحریک کی حامل کوئی ایک قوم نہیں رہی، ان چودہ برسوں میں اسلام کا دائرہ کافی وسیع ہوچکا ہے، اب عربوں کے علاوہ اور قومیں بھی مسلمان ہوچکی ہیں۔ لہٰذا اب اگر کبھی کوئی بین الاقوامی اسلامی ادارہ بنے گا۔ تو اس میں ساری مسلمان قومیں برابر کی شریک ہوں گی۔ یعنی ہر مسلمان قوم اور ہر اسلامی ملک اپنی جگہ آزاد ہوگا اور پھر یہ آزاد قومیں اور ممالک باہم مل جُل کر کسی بین الاقوامی اسلامی ادارہ کی تشکیل کریں گے۔"[۱۱]

اسی حوالے سے مولانا سندھیؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"اسلام حقیقت میں ایک انٹر نیشنل پروگرام ہے جو انسانیت کیلئے ضروری ہے۔ قرآن عظیم نے عربی نیشن کو بطور واسطہ استعمال کیا تھا چنانچہ اِس کے تھکنے پر عجمی قوموں نے وہ بوجھ اپنے سر لیا۔ حجاز اور دمشق کے بعد بغداد، بخارا، غزنی اور دہلی کی تاریخ اس پر شاہد ہے مگر آج ہم اپنے نوجوان کو انٹر نیشنلسٹ (Internationalist) بننے سے روکتے ہیں کیونکہ اسلامی انٹر نیشنلزم کا تو کوئی اجتماعی مرکز رہا نہیں اور لادینی انٹر نیشنلزم کا زور وشور سے منظم پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ وہ لوگ اپنے مطلب میں کامیاب ہونے کے لیے نہایت عمیق (گہری) چالیں چل رہے ہیں۔ ہم ڈرتے ہیں کہ ہمارا نوجوان دھوکا سے لادینی نہ بن جائے۔ اس معاملے میں ہم اپنے تجربے رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم ایک ہندوستانی عالم کو اس سے روکتے ہیں کہ وہ کسی مسلمان بادشاہ کا انتظار کرے جو باہر سے آئے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ کوئی مسلمان بادشاہ تو باہر سے آ نہیں سکتا اور یہ بھولا مسکین کسی لادینی دولت (حکومت) کے پیچ نہ پھنس جائے۔"[۱۲]

سورۃ التغابن کے تفسیری افادات میں مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

"ایک امیر اپنی رعیت کو اسی طرح احکام دیتا ہے جیسے ایک استاد اپنے شاگردوں کو پڑھاتا ہے۔ کل کا سبق یاد کرلیا تو نیا سبق دے دیا جائیگا اگر یاد نہیں کیا تو اسے کہہ دیا جائے گا کہ ابھی اسے یاد کرو۔ امارت (سربراہی) کی حقیقی شان یہ ہے کہ امیر بطور معلم کام کرے۔ اس قسم کی حکومت نیشنل حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ جب اپنی قوم کا امیر ہو گا تو وہ اپنے خاندانوں کو تعلیم دیتا جائے گا۔ جہاں دوسری قوم کا امیر ہوا وہ اس قوم کے افراد کو اپنے لیے استعمال کرنا شروع کر دے گا۔ یہ قدرتی قاعدہ ہے اس لیے ہر ایک شخص کے لیے اپنی قومی حکومت پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔"[۱۳]

آگے مزید لکھتے ہیں:

"مَیں اپنے لیے یقیناً ایک مسلمان حاکم چاہتا ہوں۔۔۔۔ اگر مسلمان میسر نہ آیا تو مَیں تھوڑی دیر کے لیے ایک غیر مسلم ہندوستانی کے ساتھ نباہ کر سکتا ہوں۔ مگر غیر ہندوستانی مسلمان کے ساتھ ایک سیکنڈ بھی نہیں گزار سکتا۔ وہ مجھے غلاموں کی طرح مانتا ہے۔ ہندوستانی غیر مسلم مجھے کم سے کم ایک شریف ہمسائے کی طرح تو رکھے گا۔۔۔۔"[۱۴]

ایک جگہ آپؒ اس قومی جمہوری آزادی کو دورِ حاضر میں مسلمانوں کی نجات کا راستہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارا یہ دور قومی جمہوریتوں کا دور ہے، لیکن یہ قومی جمہوری رنگ اسلام کی بین الا قوامی رُوح کے خلاف نہیں۔ مسلمانوں کی نجات اب اس میں ہے کہ پہلے تو وہ اپنے اپنے علاقوں میں آزاد ہوں اور آگے چل کر یہ آزاد اکائیاں اپنی کوئی بڑی وحدت بنالیں، لیکن اس وقت تو مقدم یہ ہے کہ ہر ملک آزاد ہو۔ اسلامی بین الا قوامیت اس کے بعد کی چیز ہے۔"[۱۵]

آگے ان مفکرین پر تنقید کرتے ہیں جو کہ اسلام کے ریاستی نظام کی تشکیلِ جدید کے حوالے سے ایسے خیالی تصورات پیش کرتے ہیں جن کا زمینی حقائق کے ساتھ دور کا کوئی واسطہ ناطہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں:

"اسلام کے اس طرح کے نظریہ ساز پہلے تو اسلام کے متعلق ایک موہوم تصوّر پیش کرتے ہیں۔ جب اپنی گردوپیش کی زندگی اور ماضی کی تاریخ میں کہیں بھی اپنے اس موہوم تصوّر کو عملی جامہ پہنتے نہیں دیکھتے تو پھر اپنی ایک خیالی دنیا بساتے ہیں۔ لوگوں کو اس دنیا میں آباد ہونے کی بڑی گرم جوشی سے دعوت دیتے ہیں۔ چوں کہ اس کے لیے محض خیال آفرینی شرط ہے۔ ماحول سے چھیڑ چھاڑ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس لیے عمل پر خیال کو ترجیح دینے والے ذوق وشوق سے ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں اور بزعمِ خویش سمجھ لیتے ہیں کہ اسلام کی نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔"[۱۶]

آگے مزید لکھتے ہیں:

"ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ خود تو کچھ نہیں کرپاتے اور نہ خیالی دنیا سے کبھی باہر قدم رکھتے ہیں، لیکن جو لوگ عملی زندگی کی دشواریوں، رکاوٹوں اور آلائشوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، اپنی قوم کو جس پستی میں وہ ہے، اس سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن حالات میں وہ قوم گھری ہوئی ہوتی ہے، ان حالات کے مطابق قوم کو پستی سے بلندی کی طرف لے جانے کی تدبیریں کرتے ہیں، وہ ان کے نزدیک مردود اور گھٹیا انسان ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو کہے اور کچھ نہ کرے وہ "مجدّد ملت" اور جو کچھ کرنے کی کوشش کرے اور ظاہر ہے کام ہمیشہ گردوپیش کے حالات کو مدنظر رکھ کر ہی ہو سکتا ہے اور اس کے لیے بلندی سے نیچے اُترنا پڑتا ہے، وہ "مردود" ٹھہرے۔"[۱۷]

اس حوالے سے مفتی عبد الخالق آزادرائے پوری، مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کا اختتام ہوا۔ زمانہ بدلا۔ اس کے بعد حکومتِ ظاہرہ کا ایک نیا دور شروع ہوا، جسے قومی جمہوری دور کہا جاتا ہے۔ ریاستوں کی تشکیل کا ایک نیا طریقۂ کار متعارف ہوا کہ اب وہ خلافتوں کا پرانا دائرہ ختم اور اس کی جگہ پر ہر علاقے کی قومی جمہوری حکومت، قومی تقاضوں کی بنیاد پر ریاستی نظام قائم کرے گی۔ یہ دور دینِ اسلام کی تعلیمات کے بجائے عالمی سامراجی قوتوں نے اپنے مفادات کے مطابق تشکیل دیا۔"[۱۸]

مولانا سندھیؒ ایک دوسری جگہ مزید لکھتے ہیں:

"اس دور میں مسلمانوں کی کوئی قومی حکومت، نصوصِ قرآنیہ کے خلاف قانون سازی نہ کرے اور عدل وانصاف، امن وامان اور معاشی عدل کا نظام قائم کرلے تو یہی کافی ہے۔ خلافتِ راشدہ کا نظام تو بہت اونچا ہے۔ اس دور میں اس کی نقل کرنا بڑا مشکل ہے۔"[۱۹]

ایک جگہ اسلامی تعلیمات کی اساس پر قومی جمہوری جماعت کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہماری تلقین کے موافق جس جماعت نے نیشنل ازم اور جمہوریت پر یقین پیدا کرلیا ہو، اس کو پوری ذمہ داری سے قبول کیجیے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ یہ لادینیت سے بچنے کے لیے ایک مستحکم حصار کا کام دے گا۔"[۲۰]

ایک اَور جگہ دینِ اسلام کے حقیقی جمہوری تعلیمات پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ خیال کہ اسلام (مغربی) جمہوریت کی تعلیم دیتا ہے غلط ہے، اس لئے کہ اس جمہوریت میں کوئی قانون ہی نہیں، گو ظاہری طور پر مجلس کو اختیار ہے کہ جس طرح قوانین چاہے بنالے، یعنی مجلس کے ممبر مشورہ کے بعد اپنے لئے ایک قانون بناسکتے ہیں۔ اس کے خلاف اسلام پہلے انسانی فطرت کے مطابق قانونِ الٰہی پیش کرتا ہے اس کے بعد قانون کے تحت انھیں کام کی اجازت دیتا ہے، یعنی اس لائحۂ عمل سے انفرادی اور گروہی مفادات حاصل کرنے کے لئے کسی کو آگے پیچھے جانے کا اختیار نہیں، لائحۂ عمل چلانے والی مرکزی طاقت ہے اس پر اعتراض کرنے کا ہر ایک مسلمان کو حق ہے۔"[۲۱]

قرآنی فکر کے تناظر میں جمہوریت پر بات کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

"قرآن حکیم کی بین الاقوامی حکومت کا ایک دور شاہی نظام کے ماتحت ختم ہو چکا ہے۔ اب انٹر نیشنلزم کے ماتحت جمہوری نظام پر قرآن حکیم حاکم بن سکتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے (مسلمان) قوموں میں جمہوریت آنی چاہیے۔ پھر یہ قومی جمہوریتیں مل کر ایک انٹر نیشنل مرکز پیدا کریں۔ اور اس انٹر نیشنل مرکز میں قرآن کا قانون قائم ہو۔"[۲۲]

قرآنی فکر کی اساس پر جمہوریت کی عصری تعبیر کیا ہوگی تاکہ مغربی نظامِ جمہوریت کے اثراتِ بد سے بچا جاسکے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس سلسلے میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر کی طرف بھرپور توجہ دلاتے ہیں، چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں:

"اس کے لیے جس قدر مواد امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں میں ملتا ہے وہ کسی اَور مصنف کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ وہ یہ مواد حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک کے دور سے لیتے ہیں۔ وہ اس جمہوری دور کے لیے کافی ہے۔ اس بات کے نہ سمجھنے سے ترکی میں لادینی حکومت پیدا ہوگئی۔ کل کو مصر میں پیدا ہو کر رہے گی۔ اور مصر عربی ممالک کا دماغ ہے۔ ایران آدھے سے زیادہ لادین حکومت قائم کر چکا ہے۔ افغانستان ترکی کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ غرض جو قومیں جمہوریت کی طرف آرہی ہیں۔ ان کے ہاں جمہوریت کے ساتھ قرآن کا نظام چلانے کے لیے کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ اس لیے ان کے علماء انھیں راہِ راست پر چلانے کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ اگر جمہوریت کے ساتھ قرآن کا نظام چلے گا۔ تو فقط امام ولی اللہ کے بنائے ہوئے طریق پر چلے گا۔ ورنہ لادینیت پیدا ہو کر رہے گی۔"[۲۳]

علامہ محمد اقبالؒ کا نقطۂ نظر:

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی طرح علامہ محمد اقبالؒ نے بھی اپنے مشہور خطبہ "الاجتہاد فی الاسلام" میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد اسلام کے جدید ریاستی تشکیل کے حوالے سے اپنا فکر مسلمانوں کے سامنے رکھا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتا ہے:

"تیسرا اہم مسئلہ جس پر علامہ اقبالؒ اظہارِ خیال کرنے کے خواہشمند تھے، مسلم ریاستوں کی طرزِ حکومت اور اتحادِ اقوامِ اسلامیہ کا تھا۔ اس عہد میں خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ترکی میں مغربی جمہوریت کا دور دورہ تھا، لیکن بعض روایت کے پابند علماء خلافت کے احیاء پر مُصر تھے اور ان کی سادگی یا سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومتِ برطانیہ کسی ایسی شخصیت کی تلاش میں تھی جو مسلمانانِ عالم کے لئے تو خلیفۃ المسلمین کا کردار ادا کرے مگر در حقیقت انگریزوں کی کٹھ پتلی ہو۔ ایسی حکمتِ عملی سے یقیناً ساری دنیائے اسلام کو آلۂ کار بنایا جاسکتا تھا۔ علامہ اقبالؒ دشمن کی اس حکمتِ عملی کو سمجھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ عصرِ حاضر میں خلافت کا احیاء مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے اور مسلم اقوام کے اتحاد کے لئے کوئی اور تدبیر سوچنے کی ضرورت ہے۔ بنیادی طور پر وہ جمہوریت کے اتنے قائل نہ تھے، لیکن کسی مناسب نعم البدل کی عدم موجودگی میں اسے محض گوارا کرتے تھے۔"[۲۴]

آگے مولانا سندھیؒ کی طرح علامہ محمد اقبالؒ بھی مغربی جمہوریت کے کھوکھلاپن پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جمہوریت کے متعلق ان کا اعتراض خالصتاً فلسفیانہ یا اخلاقی نوعیت کا تھا۔ کیونکہ اس نظام میں کسی شخص کا انتخاب صرف افراد کی تعداد کی بنیاد پر عمل میں آتا تھا اور یہ طریق بجائے خود اس بات کی ضمانت فراہم نہ کرتا تھا کہ منتخب کردہ شخص واقعی قیادت کا اہل ہے۔ بالفاظ دیگر اس طرزِ حکومت میں کسی اچھے اور اہلیت رکھنے والے امیدوار کا بُرے اور نااہل امیدوار کے مقابلے میں انچاس پچاس کی گنتی میں منتخب نہ ہوسکنے کا امکان تھا، جو اسلامی اور اخلاقی اعتبار سے ایک غلط بات تھی۔ اس کے علاوہ علامہ اقبالؒ مغرب کے سرمایہ دارانہ یا کیپیٹلسٹ (Capitalist) جمہوری نظام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، کیونکہ اس نظام کی روح استعماری تھی اور وہ پسماندہ اقوام کے استحصال کا باعث تھا۔ اسکے ردِّ عمل کے طور پر روس میں مکمل دہریت کی بنیادوں پر اشتراکی انقلاب آچکا تھا۔"[۲۵]

اس لیے علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے خطبات میں قانونِ اسلامی کی تشکیلِ نَو پر بہت زور دیا۔ دوسری اہم بات جس پر علامہ محمد اقبالؒ نے توجہ دی ہے وہ یہ ہے کہ اجتہاد موجودہ دور میں ایک انفرادی معاملہ نہیں

رہاہے۔ بلکہ یہ اسلامی ریاست کا اجتماعی معاملہ ہے جس میں ایک مجلسِ تشریعی یا اسمبلی کا قیام ضروری ہے جس میں ہر علم و فن کے ماہرین اور علماء کرام موجود ہوں۔ جیسا کہ ڈاکٹر خالد مسعود اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں:

"علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک اجماع جمہوری اصول تھا اور اسکی رو سے قانون سازی کا حق افراد میں محدود کرنے کی بجائے جمہور امت کی اس میں شرکت کی تائید ہوتی تھی۔ کیونکہ مسائل کی نوعیت اب اتنی بدل گئی ہے اور علوم کی حدود اتنی وسیع ہو گئی ہیں کہ ان کے لئے اصول فقہ میں شرائطِ اجتہاد کے ضمن میں مذکور علوم، اجتہاد کے لئے کافی نہیں رہے بلکہ آج اجتہاد کیلئے علومِ اقتصادیات، سیاسیات، نفسیات، طبیعات، غرض بہت سے علوم سے واقفیت اشد ضروری ہے۔ اور ان شرائط کا پورا کرنا انفرادی اجتہاد کے بس کی بات نہیں۔ آج کا اجتہاد محض روایتی مجتہد اور عالم کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اسی طرح روایتی عالم کی مدد کے بغیر بھی اجتہاد ممکن نہیں۔"[۲۶]

چنانچہ علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک ایک قانونی مجلس یا پارلیمنٹ جس میں ہر قسم کے علوم وفنون کے ماہرین شریک ہوں، اجتہاد کے لئے موزوں ہے اور وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ دورِ جدید میں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور مسلمان بھی اب اس اہم مسئلے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ ان تبدیلیوں پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"It is however extremely satisfactory to note that the pressure of new world forces and the mind of modern the political experience of European nation are impressing on Islam the value and possibilities of the idea of Ijma. The growth of republican spirit and the gradual formation of legislative Assemblies is Muslim lands constitute a great set up in advance. The transfer of the power of Ijtehad from individual representatives of schools to a Muslim legislative assembly which in view of the growth of opposing sects is the only possible from Ijma' can take in modern time will secure contributions to legal discussion who happen to possess a keen insight in to affairs."[27]

"یہ دیکھ کر بے حد اطمینان ہوتا ہے کہ نئ عالمی قوموں کے تحت اور یورپی اقوام کے سیاسی تجربات کی روشنی میں جدید اسلام کے ذہن پر اجماع کے تصوّر کی اقدار اور امکانات روشن ہورہے ہیں۔ جمہوری روح کی نشوونما اور مسلمان علاقوں میں قانون ساز اسمبلیوں کی بتدریج تشکیل، ترقی کی طرف بہت بڑے قدم ہیں۔ دورِ جدید میں متصادم فرقوں میں اضافے کو سامنے رکھتے ہوئے اجماع کی صرف ایک ہی شکل نظر آتی ہے کہ اجتہاد کا اختیار، مذاہبِ فقہ کے انفرادی نمائندوں سے لے کر مسلم قانون ساز اسمبلیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ صرف اسی طرح ہی عام آدمی جو مسائل پر گہری نظر رکھتا ہو قانونی مباحث میں حصہ لے سکتا ہے۔"

اگرچہ دیکھا جائے تو یہ شورائی نظام کا ہی ایک پہلو ہے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ "وامرھم شوریٰ بینھم (القرآن، ۳۸:۴۲)" (اور ان کے باہمی معاملات مشورے ہی سے طے پاتے ہیں) یہ ایک ایسی جامع آیت ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اور اس آیت مبارکہ میں بڑی وسعت ہے۔

جیسا کہ علامہ محمد اسد لکھتے ہیں:

"لہٰذا اس حکمِ منصوص کو تدبیرِ ریاست کے معاملے میں اسلامی غور و فکر کی اساسی اور کارفرما (Operative) دفعہ تصور کرنا چاہیے۔ یہ دفعہ اتنی جامع اور ہمہ گیر ہے۔ کہ ہماری سیاسی زندگی واضح اور صاف و صریح ہے۔ کہ اس میں کوئی من مانی تعبیر ممکن نہیں لفظ امر کا اشارہ اجتماعی معاملے کی طرف ہے۔ لہٰذا اس میں وہ طریقہ بھی آجاتا ہے جس پر اسلامی ریاست چلائی جائے گی۔ بالفاظ دیگر ثابت ہوا کہ شریعت یعنی صحیح اسلامی زندگی کا تقاضا صرف اس حکومت کے ذریعے پورا کیا جاسکتا ہے۔ جو عام رائے اور مشورے سے قائم کیا جائے۔"[۲۸]

چنانچہ علامہ قبالؒ کا تصورِ اجتہاد بھی اس کی ایک کڑی ہے اور اس کا ایک تکمیلی مرحلہ ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک اسلام کے سیاسی ڈھانچے میں خلافت، اجتہاد، اجماع اور قانون ساز اسمبلی کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ اجتہاد شعبۂ قانون کا ہی نہیں بلکہ اسلامی معاشرت کے ہر شعبے کا اصول حرکت ہے۔ اجتہاد

کا آئینی حیثیت دینے اور قوت نافذہ عطا کرنے کے لئے مملکتِ اسلامیہ (Islamic State) کی ضرورت بھی ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قانون ساز اسمبلی یا پارلیمان کا ادارہ ہے جو اجتہاد اوراجماع کا امتزاج بھی ہے اور مملکتِ اسلامیہ کی اجتماعی شکل بھی ہے۔ ان کے نزدیک ایک فرد خلیفہ ہونے کی بجائے پوری اسمبلی اس کی نمائندگی کرے اس سلسلہ میں وہ ترکی میں ہونے والی جمہوری تبدیلیوں سے بھی متاثر ہوئے جہاں عملی طور پر خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کیا گیا۔ بقول ڈاکٹر خالد مسعود:

"علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک یہ سارے واقعات دراصل اسلام کی جمہوری روح کے غماز تھے بلکہ علامہ نے اس ساری پیش رفت کو دورِ جدید میں اصولِ اجتہاد کی کار فرمائی قرار دیا۔"[۲۹]

اپنے مقالے میں علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں:

“Let Us now see how the grand National Assembly has exercised his power of Ijteihād in regard to the Institution of Khilfat.”[30]

"اب ہم دیکھتے ہیں کہ ترکی میں گرینڈ نیشنل اسمبلی نے ایک خلیفہ کا کردار ادا کرتے ہوئے کس طرح اپنی اجتہادی قوت کا اظہار کیا؟"

علامہ محمد اقبالؒ مزید کہتے ہیں:

“The first question that arises in this connection is this should the caliphate be vested in a single person? Turkies Ijtehad is that according to the spirit of Islam the caliphate or imamate can be vested in a body of persons or an elected Assembly. The religious doctors of Islam in Egypt and India as for as I know have not yet expressed themselves on this point personally. I believe the Turkish view in perfectly sound. It is hardly necessary to argue this point. The republican form government is not only thoroughly consistent with the spirit of Islam, but has also become a necessity in

view of the new forces that are rest free in the world of Islam."[31]

"اس سلسلے میں جو پہلا سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا خلافت ایک فردِواحد کو دی جانی چاہیے؟ ترکی کا اجتہاد یہ ہے کہ اسلام کی روح کے مطابق خلافت یا امامت افراد کی ایک جماعت یا منتخب اسمبلی کو دی جاسکتی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، مصر اور ہندوستان کے علماء نے اس مسئلے پر اظہار خیال نہیں کیا ہے۔ ذاتی طور پر مجھے یقین ہے کہ ترکی کا موقف ہر لحاظ سے صحیح ہے اس پر بحث کی کوئی ضرورت نہیں۔ حکومت کی جمہوری شکل نہ صرف اسلام کی روح کے عین مطابق ہے بلکہ عالمِ اسلام میں جو نئی قوتیں ابھر رہی ہیں ان کے پیش نظر یہ شکل اب ضرورت بن چکی ہے۔"

خلافت کے بارے میں علامہ محمد اقبالؒ ایک اہم نکتہ اٹھاتے ہیں اور موجودہ دور میں وہ عالمگیر خلافت سے پہلے علاقائی آزاد اور مضبوط مسلم حکومتوں کے قائل ہیں اس کے بعد ان آزاد مسلم حکومتوں کے اوپر پورے عالَمِ اسلام پر حاوی ایک آزاد اور مضبوط حکومت ہو۔ دوسری اہم بات جس کی طرف علامہ اقبالؒ نے اب اشارہ کیا ہے۔ خلافت کے لئے قریشیت کی شرط پر نظر ثانی کرنا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر خالد مسعود علامہ اقبالؒ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"لیکن آج کے دور میں اب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان حکومتیں اپنے اپنے علاقوں میں قوت پکڑیں اور بعد میں وفاقی قسم کے اتحاد میں عالمگیر امامت یا خلافت کا قیام عمل میں لا سکتی ہے۔ خلافت کے مسئلے میں حالات سے سمجھوتے کی مثال قریشیت کی شرط سے پیش کی جاسکتی ہے۔ بہت عرصے تک خلافت کا بنیادی اصول یہ رہا کہ خلافت قریش میں محدود رہے لیکن جب قریش کی قوت کمزور پڑی اور وہ حکمرانی کے قابل نہ رہے، تو علماء نے خلافت کے لئے قریشیت کی شرط پر نظر ثانی کی۔ چنانچہ ترکی کے عثمانی خلفاء قریش نہ ہوتے ہوئے بھی مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔"[۳۲]

یہی دونوں باتیں یعنی یہ کہ عالمی اور انٹرنیشنل خلافت سے پہلے ہر مسلمان قوم کی اپنی شورائی اور جمہوری حکومت ہو۔ اس کے بعد اگر قریش کے اندر حکومت سنبھالنے کی صلاحیت نہیں تو یہ دینِ اسلام کا کوئی

فرض اوراٹل قانون نہیں کہ امام اور خلیفہ ہر صورت میں قریشی ہو گا۔ بلکہ دوسرے باصلاحیت اور اہل فرد کو خلیفہ اور امام بنایاجائے گا۔ چنانچہ مولاناعبید اللہ سندھیؒ سورۃ الصف کے تفسیری نکات میں لکھتے ہیں:

"قرآن عظیم کی بین الاقوامی حکومت کاایک دور شاہی نظام کے ماتحت ختم ہوچکاہے۔اب جمہوری نظام پر انٹرنیشنلزم کے ماتحت قرآن حکیم دنیاپر حکومت کر سکتاہے۔اس لیے پہلے مسلم اقوام میں جمہوریت آنی چاہیے۔پھر یہ جمہوریتیں مل کرایک انٹرنیشنل مرکزپیداکریں۔ہر ایک جمہوریت میں اوراس انٹرنیشنل مرکز میں قرآن حاکم ہو۔"[۳۳]

سورۃ الصف کے تفسیری نکات میں ایک اور جگہ مولاناسندھیؒ لکھتے ہیں:

"جب ہم حدیث(کی کتابیں)پڑھ چکے تو"الآئمۃمن القریش"[۳٤]کی حدیث پر ہمیں اطمینان تھا۔ مگر ہمارے استاد (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند)دولتِ عثمانیہ کے خلیفہ کی حمایت سکھاتے تھے۔اس سے ہمیں شبہ ہواکہ یہ تو قریش نہیں ہیں،ان کی اطاعت کیوں کی جائے۔ہم نے اپنے استاد سے پوچھا۔انہوں نے جواب دیاکہ اگر قریش میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ ہو تو کیا پھر بھی"الآئمۃ من القریش"ہوں گے؟ہمیں بات سمجھ میں آگئی۔"[۳۵]

آگے مزید لکھتے ہیں:

"اب ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔حدیث میں ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔اب ایک ایسا شخص فرض کرو جسے فاتحہ نہیں آتی۔توہماری فقہ حنفی میں طے شدہ مسئلہ ہے کہ وہ قرآن کی کوئی سورت پڑھ لے گاتواس کی نماز ہوجائے گی۔ چونکہ یہ مسئلہ ہمارے ذہن مین راسخ تھا اس لیے استاد کے مختصر جواب سے سب کچھ سمجھ میں آگیا۔"[۳٦]

نتائجِ بحث:

گویامولاناعبید اللہ سندھیؒ اور علامہ اقبالؒ دونوں اصولی طور پر یہ طے کررہے ہیں کہ:

۱۔ خلافتِ عثمانیہ کے بعد اسلام کی ریاستی تشکیلِ نَو شورائی اور جمہوری بنیادوں پر ہو گی نہ کہ شاہی بنیادوں پر۔

۲۔ مسلمانوں کی عالمی حکومت کے قیام سے پہلے مسلمانوں کی آزاد علاقائی اور قومی حکومتوں کا قیام ضروری ہو گا۔ یہ آزاد مسلم حکومتیں آگے جا کر جمہوری بنیادوں پر انٹر نیشنل اتحادی فورم کا قیام کر سکتیں ہیں۔

۳۔ امامت و خلافت کے لیے اگر باصلاحیت قریشی امام و خلیفہ دستیاب نہ ہو تو کسی دوسرے اہل اور باصلاحیت مسلمان کو شورائی اور جمہوری طریقے سے امام بنایا جاسکتا ہے۔

سفارشات:

ا۔ سب سے پہلے توان دونوں مفکّرین کے افکار و نظریات سے استفادہ کا ایسا بندوبست ہو کہ ان کے نظریات کو نسلِ نَو کے تعلیمی، نصابی اور تربیتی عمل کا حصہ بنا دیا جائے۔

۲۔ ہمارے ملک کے قومی اوراجتماعی مسائل میں سے اہم ترین مسئلہ فرقہ واریت و گروہیت اور عدمِ برداشت کا مسئلہ ہے۔ جس میں مذہبی، مسلکی فرقہ واریت کے ساتھ ساتھ لسانی اور صوبائی گروہیتیں ملکی سالمیت کے لیے ایک چیلنج بنتا جارہاہے۔ اندریں حالات ان دونوں مفکرین کے نظریات وافکار، اس آگ کو بجھانے کے لیے پانی کا بہترین کام دے سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے افکار کی جامعیت، توانائی اور تازگی میں مسلکی و مذہبی فرقہ واریت اور لسانی وصوبائی گروہیتوں سے پیدا شدہ مسائل کا جامع حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ جس کے لیے ان دونوں کے دینی و مذہبی فکر کو قومی میڈیا پر بھرپور پزیرائی دی جائے۔

۳۔ اس طرح ہمارے ملک کے قومی واجتماعی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مسلسل سیاسی عدمِ استحکام اور جمہوری قوتوں کی کمزوری بلکہ ناپید ہونے کا مسئلہ ہے۔ جو جماعتیں بظاہر جمہوریت کی دعوے دار ہیں وہ جمہوریت کے لبادے میں دراصل آمریت ہے۔ ایسے میں قومی سطح پر جمہوری اور شورائی مزاج پروان چڑھانے کے لیے ان دونوں مفکرین کے نظریات سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ جس کے لیے ان کے دینی سیاسی فکر کو باقاعدہ یونیورسٹی لیول کے نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے۔

حوالہ جات

[۱]- البخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المختصر البخاری، دارابن کثیر الیمامہ بیروت،۱۹۸۷ء، ج۳، ص ۱۲۷۳۔

Al-Bukhārī, Abu Abdullah, Muhammad ibn Isma'īl, al-Jame 'al-Sahih al-Mukhtasar Al-Bukhārī, Beirut: Dar ibn Kathīr Al-ymamah, , 1987, vol. 3, p. 1273

[۲]-ایضاً، کتاب المناقب، بابٌ: حدثنا محمد بن المثنی، ۴/ ۲۲۵، حدیث نمبر (۳۶۴۱)؛ القشیری، مسلم بن حجاج بن مسلم، ابوالحسن، الجامع الصحیح المسلم، دارالجیل بیروت، س ن، ج۶، ص ۵۲۔

Ibid, , Kitab al-Manaqib, Chapter: Hadith of Muhammad ibn al-Muthanna, 4/225, Hadith (3641)

[۳]- دہلوی، شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین، داراشاعت کراچی، طبع اوّل ۱۴۱۴ھ، ص ۲۳۸، ۲۳۷۔

Dulawi, King of the Guardians of God, Fayyud al-Harmain, Darashaat Karachi, first edition 1414, pp. 237,238-

[۴]-ابن سعد، ابوعبداللہ، البصری، محمد منیع (م: ۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، داربیروت للطباعۃ والنشر بیروت، لبنان، ۱۳۹۸ھ، ج۳، ص ۲۸۱۔

Ibn Sa'd, Abu Abdullah, Al-Baṣrī, Muhammad Al-Mani' (d: 230 ھ), Al-Tabaqāt Al-Kibriya, Beirut: Dar Beirut for Printing and Publishing, 1398 ھ, vol. 3, p. 281-

[۵]- دہلوی، شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، قدیمی کتب خانہ کراچی، س ن، ج۱، ص ۱۳۔

Dehlawī, Izalah al-Khifa' 'an Khilafah al-Khulafā' , Old Books of the Karachi House, Vol. 1, p. 13-

[۶]- الترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح السنن الترمذی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج۴، ص ۵۰۳۔

Al-Tirmidhi, Abu 'Isā, Muhammad Ibn 'Isā, Al-Jame' Al-Sahih Al-Sunan Al-Tirmidhi, Beirut: Dar Ihyā' Al-Tarath Al-Arabi, vol. 4, p. 503-

[۷]- رائے پوری، آزاد، عبدالخالق، مفتی، سوانح حیات حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، رحیمیہ مطبوعات، لاہور، اگست ۲۰۱۶ء، ص ۵۶۴۔

Rā'ē Pūrī, Azad, Abd al-Khāliq, Mufti, Biography of Hazrat Shah Abd al-Rahim Rā'ē Poury, Rahimiyya Press, Lahore: 2016, p. 564-

---

۸- سرور، محمد، پروفیسر، خطبات ومقالات مولاناعبیداللہ سندھیؒ،سندھ ساگر اکیڈمی لاہور،۱۹۹۶ء، ص۱۰۸،۱۰۹۔

Prof. Mohammad Sarwar, Sermons and Articles of Mawlana Obaidullah Sindhi, Sāgar Academy Lahore, 1996, pp. 108,109-

۹- ایضاً، ص ۱۳۲۔

Ibid, p. 132

۱۰- سندھی، عبید اللہ، مولانا، شعوروآگہی، رحیمیہ مطبوعات، رحیمیہ ہاؤس کوئینز روڈ لاہور، مئی۲۰۰۹ء، ص ۱۳۲، ۱۳۱ ۔

Sindhi, Obaidullah, Enlightenment, Lahore: Rahīmiah Press, 2009, pp. 132, 131-

۱۱- ایضاً، ص ۱۳۲۔

Ibid, p. 132

۱۲- آزاد، عبدالخالق، مفتی، (مرتب)، خطبات ومقالات مولاناعبیداللہ سندھیؒ، دارالتحقیق والاشاعت، لاہور، ستمبر ۲۰۰۲ء ص۳۶۹، ۳۷۰۔

Azad, Abd al-Khaliq, Mufti, sermons and articles of Maulana Obaidullah Sindhi, Dar al-Tahqiq wa Asha'at, Lahore, 2002, pp. 369,370

۱۳- سندھی، عبید اللہ، مولانا، قرآنی شعورانقلاب، رحیمیہ مطبوعات، رحیمیہ ہاؤس کوئینزروڈ لاہور، ۲۰۰۹ء، ص۵۴۵۔

Sindhi, Obaidullah, Maulana, Quranic Quranic Revolution, Rahimiyya Press, Rahimiyyah house Lahore, 2009, p. 545-

۱۴- ایضاً، ص۵۴۶۔

Ibid, p. 546

۱۵- سندھی، عبید اللہ، مولانا، شعوروآگہی، رحیمیہ مطبوعات، رحیمیہ ہاؤس کوئینز روڈ لاہور، جنوری ۲۰۲۰ ء، ص۳۰۹، ۳۰۸۔

Enlightenment, pp. 309, 308

۱۶- ایضاً، ص۳۰۹، ۳۱۰۔

Ibid, pp. 309, 310

[۱۷]- ایضاً، ص ۳۱۰۔

Ibid, p. 310

[۱۸]- رائے پوری، آزاد، عبد الخالق، مفتی، مضمون: خلافت و حکومت کی اہمیت اور موجودہ دور کے تقاضے، ماہنامہ عزم سیریز، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۵ء، ادارہ عزم گلگشت ملتان، ص ۱۷۔

Rā'ē Pūri, Azad, Abdul Khaliq, Mufti, Importance of Caliphate and government and is requirements, Monthly ‘Azam Series, October, November, December 2015

[۱۹]- سہ ماہی مجلہ "شعوروآگہی" لاہور، حرفِ اوّل از مدیرِ اعلیٰ، ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور، اپریل تا جون ۲۰۱۵ء، ص ٦۔

Enlightenment, quarterly magazine, Foreword of the Director General, Department of Qur’anic Sciences, Lahore, April to June 2015, p. 6

[۲۰]- سندھی، عبید اللہ، مولانا، شعوروآگہی، جنوری ۲۰۲۰ء، ص ۳۵۵۔

Enlightenment, January 2020, p. 355-

[۲۱]- سندھی، عبید اللہ، مولانا، تفسیر المقام المحمود، مکی دارالکتب لاہور، ستمبر ۱۹۹۷ء، جلد اول، ص ۴۵٦۔

Sindhi, Obaidullah, Mawlana, Tafsīr al-Maqām al-Mahmūd, Makkī Dar al-Kutab Lahore, September 1997, Volume 1, p. 456-

[۲۲]- سومرو، ثناء اللہ، افکار و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھیؒ، اسلامیکا فاؤنڈیشن کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۵۰۔

Sumaro, Thanaullah , Thoughts and words of Mawlana Obaidullah, Islamic Café Karachi, 2017, p. 50-

[۲۳]- ایضاً۔

Ibid,

[۲۴]- اقبال، جاوید، ڈاکٹر، زندہ رود، ج ۲، اقبال اکیڈمی لاہور، ص ۱۰۳۔

Dr. Iqbal, Javēd, , Zinda Raud, vol. 2, Iqbal academy Lahore, p.103

[۲۵]- ایضاً۔

Ibid,

[۲٦]- خالد مسعود، ڈاکٹر، اقبال کا تصور اجتہاد، ادارہ مطبوعات حرمت راولپنڈی، ص ۲۳۱۔

Dr. Khalid Masaūd, Akkar, Iqbal Ka tsawwar Ijtihad, Hurmat Publication Rawalpindi, p. 231.

[27]- Iqbal, Allama, Reconstruction of the Religious Thoughts in Islam, Iqbal Academy Lahore,1977 p. 137.

[۲۸]- محمد اسد، علامہ، اسلام میں ریاست اور حکومت کے بنیادی اصول، آگہی پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۸۔

Muhammad Asad, Alama, Islam mein Riyast Ur Hakūmat ky Baniyadi Usūl, Aghi Publishing, 2000 I, p. 28.

[۲۹]- خالد مسعود، ڈاکٹر، اقبال کا تصوّر اجتہاد، ص ۲۳۱۔

Iqbal Ka tsawwar Ijtihad, p. 231

[30] -Iqbal, Allama , Reconstruction of the religious thoughts in Islam, P.137.

[31] -Ibid, P.137.

[۳۲]- خالد مسعود، ڈاکٹر، اقبال کا تصوّر اجتہاد، ص ۲۳۲۔

Iqbal Ka tsawwar Ijtihad, p. 232

[۳۳]- سندھی، عبید اللہ، مولانا، قرآنی شعور انقلاب، ص ۴۵۰۔

Qur'anic sha'ūr Inqilāb, p. 450

[۳۴]-احمد بن محمد بن حنبل، شیبانی، **"مسند احمد"** تحقیق: شعیب الارناؤط و آخرون (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء) حدیث: ۱۲۴۳۳، ج ۲۵، ص ۴۷۹۔

Ahmad ibn Muhammad ibn Hanbal, Shaibani, "Musnad Ahmad," Edited by: Shuaib Arnaout and others (Beirut: Founder of ة al-Risālah, 1421 AH / 2001 AD), Hadith: 12433, vol. 25, p.. 479.

[۳۵]- سندھی، عبید اللہ، مولانا، قرآنی شعور انقلاب، ص ۴۴۷۔

Qur'anic sha'ūr o Inqilab, p. 447.

[۳۶]- ایضاً۔

Ibid,